

اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

(۲۰)

ڈاکٹر ابراہیم الشریقی

ترجمہ : خلیل حامدی

برطانوی انداز کے دور میں عربوں کی مجاہدانہ کوشش | اس مرحلہ میں صہیونی سیلاب کو روکنے کے لیے عربوں کی طرف سے غیر معمولی مخالفت کی گئی۔ انہوں نے ظالمانہ استعماری سیاست کا بھرپور مقابلہ کیا اور صہیونی منصوبوں کا سامنا کیا۔ اس دور میں عربوں کی تحریکِ مقاومت ایمان اور جہادِ اسلامی کی روح سے لبریز تھی اور الحاج امین الحسینی مفتیِ اعظم فلسطین کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ اس مرحلے میں عربوں کی طرف سے تین مرتبہ انقلابی کوششیں عمل میں آئیں۔ ایک ۱۹۲۰ء میں دوسری ۱۹۲۹ء میں اور تیسری جو فلسطین کی "بغارتِ عظمیٰ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۱۹۳۶ء میں برطانیہ کا قریطاس ایضاً یہ بات قابل ذکر ہے کہ میونخ کانفرنس کے بعد، جو ۱۹۳۸ء میں عالمی امن کی بحالی کی خاطر ہڈر کے ساتھ اختلافات کو رفع کرنے کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی، برطانیہ اور فرانس دونوں نے ملی جگت کر کے مشرقِ اوسط سے متعلق نیا منصوبہ وضع کیا اور اپنی سابقہ پالیسی کے اندر بنیادی تبدیلیاں طے کیں۔ ان نئی تبدیلیوں کی وجہ دو بنیادی امور تھے :

اولاً: برطانیہ اور فرانس کے سربراہوں دچیمبرلین اور ڈالاڈے کو یقین ہو گیا کہ ہڈر کسی حد پر رکنے والا نہیں ہے، اور دوسری جنگِ لا محالہ چھڑ کر رہے گی۔

ثانیاً: دونوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مشرقِ عربی کی شورشیں اور اضطرابات اُس وقت تک اطمینان بخش حالت میں تبدیل نہیں ہو سکتیں جب تک عرب اقوام کی خواہشات کے تحت ان حالات کی اصلاح نہیں کی جاتی۔

چنانچہ حکومت برطانیہ نے اس فیصلے کے بعد بلا تاخیر ۱۹۴۹ء میں قرطاسِ ابيض شائع کر دیا اور فلسطین کے بارے میں اپنی نئی سیاست کی یہ بنیادیں وضع کیں :

- ۱- برطانیہ اس اصول کو تسلیم کرتا ہے کہ دس سال کے اندر اندر فلسطین ریاست قائم کی جائے۔
- ۲- عوامی انتخاب کی بنیاد پر ایک مجلس قانون ساز کی تشکیل کی جائے گی۔
- ۳- مخصوص علاقوں کے اندر یہودیوں کے ہاتھ زمینوں کی فروخت ممنوع ہوگی۔ یہ علاقے فلسطین کے مختلف حصوں میں نشان زدہ کر دیئے گئے ہیں۔
- ۴- یہودی ہجرت کی تحدید یعنی فلسطین میں داخل ہونے والے یہودی مہاجرین کی سالانہ تعداد معین کر دی جائے گی۔

قرطاسِ ابيض کی منسوخی | عربوں نے ابتداءً اس قرطاسِ ابيض کی اسکیم کو قبول کرنا چاہا، مگر حکومت برطانیہ نے اس کے نفاذ کو حالات کی مناسبت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ چنانچہ اس شرط نے اور یہودی ہجرت کی تحدید کے فقرے نے عربوں کی نگاہ میں برطانوی حکام کی نیتوں اور جدید برطانوی سیاست کو مشکوک کر دیا۔ آخر کار عربوں نے پہلے قرطاسِ ابيض کو مسترد کر دینے کا فیصلہ کیا اور پھر اس کو تسلیم کر کے اس کی تنفیذ کا مطالبہ کیا۔ یہودی حلقوں کے اندر قرطاسِ ابيض سے کھلبلی مچ گئی۔ لیکن ان کی یہ کھلبلی بہت جلد اطمینان میں تبدیل ہو گئی جب انہیں یہ خوشخبری ملی کہ قرطاسِ ابيض ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا ہے۔

اس پوری تاریخ کے بطن میں کچھ ایسے حقائق موجود ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں اور جنہیں ایسے خفیہ ہاتھ نے مستور کر رکھا ہے جس کے پیچھے ایک ایسی چھڑی کام کر رہی ہے جو حالات سے ہر وقت ناجائز استفادہ کرتی رہی ہے اور انہیں اپنی منشا کے مطابق ڈھالتی رہی ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ذرا پس پردہ جھانک کر دیکھنا چاہیے۔ روس کی صدارتی کونسل میں یہودی اثرات | آج ہم جن واقعات سے دوچار ہیں ان کا سلسلہ ماضی کے واقعات و حالات سے مربوط ہے، لہذا ہمیں جمعیتِ اقوام کے گزشتہ ریکارڈ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہی ریکارڈ فلسطین کی تاریخ کے دوسرے اور تیسرے باب کو مکمل کرتا ہے۔ اس کا پہلا باب اُن بین الاقوامی سازشوں پر مشتمل ہے

لے ملاحظہ ہو ہائیم وائس مین کی ڈائری و لندن اور یہودی ایجنسی کی خفیہ مراسلت۔

جن کے بیرونی سرمایہ دار اور وہ یہودی کمیونسٹ اور انقلاب پسند تھے جنہوں نے روس کے اندر کمیونسٹ اسٹیٹ کی تاسیس کی۔ اُمید ہے کہ یہ حقیقت اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہوگی کہ لینن کے عہد میں سداقتی مجلس کی اکثریت یہودی ممبروں پر مشتمل تھی۔ اسٹالن کے دور میں خود اسٹالن اور مولوٹوف اور فوروشیلوف کے ماسوا اس مجلس کے باقی تمام ارکان یہودی تھے۔ خروشیچف سے لے کر کوشچن کے حالیہ عہد تک مجلس کے نصف ارکان یا تو ناستہ یہودی ہیں یا یہودی الاصل ہیں۔ بلکہ مشرقی یورپ کے جن ممالک میں اشتراکی نظام قائم کیا گیا ہے وہاں کی مشاورتی کونسلوں اور انتظامی مجالس کے اندر یہودی اشتراکیوں کا غلبہ ہے۔ رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، ہنگری، پولینڈ اور چیکو سلواکیہ کے اندر یہودیوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے جو کلیدی اسامیوں پر قابض۔ فلسطین کی تقسیم اور اسرائیل کی تاسیس سے پہلے کے مرحلے میں جو بات زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں فلسطین برطانوی انتداب کے تحت تھا، اور یہودی مار دھاڑ کر کے اسے اپنے قبضے میں لانے کی تیاری کر رہے تھے، اس وقت انہوں نے باقاعدہ فوجی یونٹ بنالیے تھے۔ ان یونٹوں میں اکثریت جن یہودیوں کی تھی وہ روس، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور پولینڈ کے مہاجر تھے جو فلسطین میں آباد کیے گئے تھے اور بیشتر تعداد اُن لوگوں کی بھی تھی جو اُس یہودی ٹبائین میں رہ چکے تھے جس نے برطانوی فوج کے دوش بدوش العالمین اور صحرائے لیبیا کی جنگ میں جرمن اور اطالوی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی یہودی ٹبائین کے افسروں میں سے ایک موٹسے وایان اور دوسرا اسحاق رابن تھا۔ اول الذکر آج اسرائیل کا وزیر جنگ ہے اور ثانی الذکر اسرائیلی افواج کا کمانڈر انچیف۔

کمیونسٹ ممالک نے اسرائیل کو اسلحہ فراہم کیا اُس وقت یہودیوں کو اسلحہ کی سپلائی زیادہ تر مشرقی یورپ سے ہو رہی تھی، اور خاص طور پر چیکو سلواکیہ سے جس کے لیے خود اسٹالن نے منظوری دی تھی۔ کچھ اسلحہ اُس سرمائے سے حاصل کیا گیا تھا جو امریکہ اور یورپ کی صہیونی تنظیمیں فراہم کر رہی تھیں۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں یہودیوں اور عربوں کی جو جنگ ہوئی اُس میں یہودیوں نے وہ اسلحہ استعمال کیا تھا جو انہیں زیادہ تر مشرقی یورپ کے اُن ممالک سے ملا تھا جن پر کمیونسٹوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد غلبہ پایا تھا۔ ماسکو کے حکم سے یہودی مشن کو، جو موٹسے شاریت کی قیادت میں حصول اسلحہ کے لیے گیا ہوا تھا، یہ اجازت

دی گئی کہ وہ رومانیہ اور یوگوسلاویہ کے بحری جہازوں پر اپنی ضرورت کا جنگی سامان لا کر حنیفا کی بندرگاہ تک پہنچائیں۔
یورپ کے سرکاری بیانات اور بین الاقوامی ایجنسیوں کے حوالوں کی روشنی میں اسلحہ کی یکھیسپ مشرقی یورپ
سے ذیل کی تعداد میں یہودی مشن کو فراہم کی گئیں:

۲۴	چیکو سلواکیہ کے ہوائی جہاز
۱۲۵	مختلف النوع ٹینک
۴۰۰	کمتر نڈ گاڑیاں
۷۰	بجاری توپیں
۳۵۰	مختلف النوع توپیں
۱۰۰۰۰	رائفلیں اور اسٹین گن
۱۵۰ ٹن	دستی بم
۳۰۰ ٹن	بارود
۱۰۰۰	بار برداری کی گاڑیاں

اس کے علاوہ وہ اسلحہ بھی یہودیوں کے پاس تھا جو انہوں نے فلسطین میں برطانوی فوج کے گوداموں
سے لوٹا تھا۔ اور وہ اسلحہ بھی شامل تھا جو مغربی یورپ میں اتحادی فوجوں کے ذخائر سے انہوں نے حاصل
کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کمیونسٹ ممالک اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرتے اور بجاری اسلحہ اور ہوائی جہازوں
سے اُسے کمک نہ پہنچاتے تو اس جنگ کے دوسرے مرحلے (جولائی ۱۹۴۸ء) میں یہودی اُن دُور دراز
علاقوں میں ثابت قدم نہ رہ سکتے تھے جو تقسیم کی قرارداد میں شامل نہیں تھے۔ مثلاً صحرائے نقب، یافہ اور
گیلیل کا مغربی حصہ وغیرہ۔ اسلحہ کی سپلائی کے ساتھ اُس سازش کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ جو جنگ
بندی کے نام سے جون ۱۹۴۸ء میں یو این اے کے اندر عربوں پر ٹھونسی گئی۔

یالٹا کانفرنس اور مسئلہ فلسطین اب تھوڑی دیر کے لیے ذرا ۱۹۴۵ء کی طرف لوٹیں اور یالٹا کانفرنس کے ریکارڈ پڑھنا نہ ننگہ ٹری

جس میں نازی ازم کا قلع قمع کرنے، جرمنی کو اتحادیوں کے مقبوضات میں تقسیم کرنے، چا پانی امپیرلزم کی بساط اٹھنے اور مشرقی یورپ کے ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ خفیہ مذاکرات، جو تین سربراہوں (چرچل، روز ویلٹ اور اسٹالن) کے مابین ہوئے، ان کی رُوداد پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نازی درجے کے جن موضوعات پر گفت و شنید ہوئی تھی اُن میں سے ایک پولینڈ کا موضوع تھا اور دوسرا وہ مراسلہ تھا جو صہیونی لیڈروں کی ایک کمیٹی نے اس کا فرانس میں پیش کیا تھا۔ اس مراسلے میں صہیونیوں نے یہ مطالبہ کیا تھا :

۱۔ جرمنی پر مالی تاوان عائد کیا جائے (اس مالی تاوان کی مقدار ۵ ارب ڈالر تجویز کی گئی)۔ اور یہ تاوان اُن یہودیوں میں تقسیم کیا جائے جنہیں شدید نقصانات پہنچے ہیں، خواہ وہ جو اس وقت یورپ میں موجود ہیں، اور خواہ وہ جو امریکہ اور فلسطین چلے گئے ہیں۔

۲۔ فلسطین کی طرف یہودیوں کی ہجرت پر تمام پابندیاں اٹھادی جائیں۔

۳۔ یہودیوں کو اپنا مخصوص سیاسی وجود تشکیل دینے کے لیے ہر طرح کی امداد دی جائے۔

صدر روز ویلٹ کے ایک قریبی سیاستدان جان سوریل کا بیان ہے کہ اس وقت اسٹالن اپنے برطانوی ادمار کی رفقاء کی نسبت یہودیوں کے معاملے میں زیادہ جذبات ہمدردی اور جوش و غروش کا مظاہرہ کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ وہ مظلوم قوم ہے جس کے ۳۰ لاکھ افراد مشرقی یورپ میں اور ۲ لاکھ افراد مغربی یورپ میں جو من گھڑا پو کی تیغ ستم کا شکار ہوئے ہیں۔ جان سوریل اپنی کتاب ”یائسا سے پولسڈم تک“ میں رجوسان فرانسکو میں ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے لکھتا ہے :

”سوویت یونین کے سربراہ اسٹالن نے مطالبہ کیا کہ جرمنی پر عائد کردہ تاوان کو دگنا کیا جائے

اعد یہ یہودیوں کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ فلسطین کے اندر اُن ۳۰ لاکھ یہودی مہاجروں کی

آباد کاری پر صرف کر سکیں جو شووینین اور مشرقی یورپ سے وہاں ہجرت کر گئے ہیں مگر چرچل

نے بڑے لچکدار ڈپلومیٹک اسلوب میں اسٹالن کو جواب دیا، فلسطین کا شاداب علاقہ

بہت تنگ ہے، لاکھوں یہودیوں کی اس میں گنجائش نہیں ہے، یہودیوں کی ہجرت پر سے

پابندی اٹھالینے کے بعد عرب ممالک کے اندر ہنگاموں کی لہریں اٹھ کھڑی ہونگی اور فلسطین جیسے نازک مقام کے معاملے میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز کشمکش کا آغاز ہو جائے گا۔ یہ تمام نہایت پیچیدہ مشکلات ہیں، برطانیہ بین الاقوامی تعاون کے بغیر تنہا ان مشکلات کو حل نہیں کر سکتا۔ اسٹالن یہ جواب سن کر مسکرا دیا اور کہنے لگا، مشرق کی اقلیتوں کی مشکلات صرف اس صورت میں حل ہو سکتی ہیں کہ اشتراک نظام کو وہاں رائج کیا جائے۔ یہ نظام قومی تحریکوں کو ختم کرنے کی پُر دی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم نے اسی نظام کی بدولت اُن تمام قومی تحریکوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے جو سوویت یونین کے اندر پائی جاتی تھیں۔ اس طرح ہم نے سوویت یونین کو تمام مصائب و مشکلات سے آزاد کروا دیا ہے۔ روز ویلٹ نے پہلو بہلتے ہوئے کہا، ہماری معلومات کے مطابق اشتراک نظام کے اصول و مبادی یورپ کے یہودی فلاسفروں نے وضع کیے ہیں لیکن بائیں ہمہ یہ نظام یہودیوں کی منتشر آمد پر گندہ قوم کی مشکل کا حل فراہم نہ کر سکا۔ میرے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک بین الاقوامی کمیٹی بنائی جائے جو فلسطین کے عمومی حالات کا مطالعہ کرے اور عربوں اور یہودیوں کے مسائل سمجھ کر ان کے لیے پُر امن حل تجویز کرے۔“

یاسٹا کانفرنس میں اسٹالن نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ مشرقی اور عربی ممالک کے اُن تمام رجحان کو بلیک لسٹ میں درج کیا جائے جنہوں نے جرمنی کے نازی حکام کے ساتھ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ بلکہ اُن مصنفین اور ارباب صحافت کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا جائے جنہوں نے ہٹلر کے عہد میں نازی ازم کا پرہیزگنا کرنے میں حصہ لیا ہے۔ بحث و تمحیص کے بعد بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ نازی حکام سے تعاون کرنے والوں کو سزا دینے کا معاملہ اُس حکومت پر چھوڑ دیا جائے جس کے دائرہ اختیار میں ایسے لوگ پائے جاتے ہوں۔ نین بڑوں نے یہ بھی بالاتفاق طے کیا کہ ایک اعلیٰ ٹریبونل قائم کیا جائے جس میں نازی لیڈروں پر مقدمات چلائے جائیں اور اُن میں سے ہر ایک کو خواہ وہ سول کا آدمی ہو یا فوج کا جنگی مجرم قرار دیا جائے۔ اسی فیصلے کی رو سے جنگ کے بعد نورمبرگ کی مشہور عدالت قائم کی گئی تھی۔

یوگوسلاویہ کی طرف سے مفتی فلسطین کو سزائے موت دینے کا مطالبہ یہ تاہم بھی فراموش نہ ہونی چاہیے، کہ یوگوسلاویہ کی کیونسٹ حکومت اور صہیونی تنظیموں نے مل کر نورنبرگ کی اتحادی عدالت کو یہ باور کرانے میں پورا پورا زور صرف کیا کہ الحاج امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین کے خلاف جو جھوٹے الزامات عائد کیے گئے تھے، وہ بالکل درست ہیں۔ یوگوسلاویہ اور صہیونیوں کی طرف سے الحاج امین الحسینی کے خلاف جو دو سمیوزڈم کمیٹی کے سامنے پیش کیے گئے اُن میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ مفتی صاحب نے نازی حکام کو براہِ گتختہ کیا تھا کہ یہودیوں کو بالکل فنا کر دیا جائے۔ اسی طرح مفتی صاحب نے بوسنہ کے مسلمانوں پر شتمل عسکری دتے مرتب کیے تھے اور انہیں نازی فوجوں میں شامل کر دیا تھا تاکہ وہ یوگوسلاویہ کے انقلابیوں کے خلاف نازی فوجوں کے دوش بدوش لڑیں۔ صہیونی تنظیموں کا اس مطالبے سے مقصد یہ تھا کہ اُس نامور عرب لیڈر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے جس نے فلسطین کو صہیونی تحریک کی مقاومت کا مرکز بنا رکھا تھا۔

روس کی امداد کے لیے صہیونیوں کا منصوبہ جنگ کے متصلاً بعد امریکہ کے یہودی ماہرین سودیت یونین کے لیے مفادات حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے۔ چنانچہ ان کی مساعی سے سودیت یونین نے واشنگٹن سے بھاری بھر کم امداد حاصل کر لی جس کی مجموعی مقدار نقد کی صورت میں ایک ارب ڈالر اور غذائی مواد، ادویہ، کیمیائی مواد، زرعی آلات اور مشینری کی شکل میں تین ارب ڈالر تھی۔ صہیونی تحریک کا منصوبہ یہ تھا کہ سودیت یونین کو اپنے ملک میں جدید ترین بھاری صنعتوں کے قیام و فروغ کے لیے حکومت امریکہ کے خزانے اور مالی اداروں اور کمپنیوں کی طرف سے سرمایہ فراہم کیا جائے مگر واشنگٹن کو اس منصوبہ کے اسرار اور اس کے خطرات کا پتہ چل گیا۔ اس سارے منصوبے کی تہ میں جو ارادے کام کر رہے تھے وہ یہ تھے کہ صہیونی تحریک ماسکو کا اعتماد حاصل کرے اور فلسطین کے اندر اپنی سازش کو کامیاب کرنے کے لیے ماسکو کو ضروری قوت فراہم کرے۔

فلسطین کے مسئلہ پر سلطان عبدالعزیز کی روزِ ولایت گفتگو یاٹا کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے جان سوہیل اپنی کتاب کے پانچویں باب میں لکھتا ہے:

لے ملاحظہ ہو روزِ ولایت کے عہد میں امریکہ کے وزیر خارجہ مشرٹن ٹینیسیس کی ڈائری۔ یہ منصوبہ امریکہ کے وزیر خزانہ مورگنٹھائو نے پیش کیا تھا جو صہیونی تحریک کا زبردست حامی سمجھا جاتا تھا۔

۱۶ فروری ۱۹۴۵ء کو جب صدر روز ویلٹ کانفرنس سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا تو اُس نے راستے میں کوئین نامی جہاز کے اندر اپنے دوست چرچل کے ہمراہ جزیرۃ العرب کے حکمران سلطان عبدالعزیز بن سعود سے ملاقات کی۔ سلطان کے ساتھ متعدد اقتصادی اور سیاسی موضوعات پر بات چیت ہوئی۔ مسئلہ فلسطین اور یہودیوں کی مگنا ر ہجرت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ مذاکرات کے آغاز میں تو سلطان عبدالعزیز بڑی خذہ پیشانی سے گفتگو میں حصہ لیتے رہے۔ مگر جب روز ویلٹ نے یہودیوں کا موضوع چھیڑا تو فوراً سلطان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور وہ کہنے لگے:

ہر چیز پر غور و خوض کیا جاسکتا ہے۔ اور ہر وہ بات جو آپ کی قوم اور ہماری قوم کے لیے صحیح اور مفید ہو سکتی ہے قبول کی جاسکتی ہے۔ مگر یہودیوں کی ہجرت کا مسئلہ ایسا ہے کہ ہم پر برداشت نہیں کر سکتے کہ یہ ہجرت بے روک ٹوک جاری ہے۔ یہ ہجرت اگر ٹوٹ ہی جاتی رہی تو اس سے کئی مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ اور عرب اور مغرب کے تعلقات مکدر ہو سکتے ہیں۔ فلسطین عربوں کے لیے انتہائی عزیز اور گماں بہا متاع ہے۔ اس کے کسی معاملے سے صے کے بارے میں بھی کسی قیمت پر سودے بازی نہیں ہو سکتی۔ ہم یہ خواہش رکھتے ہیں کہ یہ عرب علاقہ پرامن اور صہیونیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہے۔

صدر روز ویلٹ عرب فرمانروا کی صاف گوئی سے بڑے خوش ہوئے۔ سلطان کے اس بیان کو پراسٹیوٹ سکریٹری نے قلمبند کر لیا اور اگلی صبح کو مسٹر چرچل کو بھی اس بیان سے مطلع کر دیا گیا۔

اسی کتاب کے پانچویں باب میں صفحہ ۳۲۶ پر مسٹر جان سوریل رقمطراز ہے: چرچل نے سلطان عبدالعزیز کے بارے میں اپنے دوست روز ویلٹ کے تاثرات دریافت کیے۔ روز ویلٹ نے کہا: مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ شخص بڑا راست باز ہے، جبری ہے، بے لاگ ہے۔ زندگی کی کوئی کشش اُس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اُس کی گفتگو سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا اجتماع مشرق کے امن کو محسوس کر دے گا۔ اور عرب ہر ممکن ذریعہ سے یہودیوں کی مقادمت کریں گے۔ یہ بات انتہائی خطرناک ہے۔ ہمیں عربوں سے اپنے تعلقات کو محفوظ رکھنے اور مشترک مفادات کے تحفظ کے لیے اس خطرے کا لانا تدارک کرنا چاہیے۔

مگر قبل اس کے کہ جرمنی بلا قید و شرط متنبہا رڈ اتنا، اور جرمنی کا نازی ازم اپنی موت آپ قترا، روز ویٹس اپریل ۱۹۴۵ء کو دنیا سے کوچ کر گیا، اور ٹرور میں اُس کا جانشین ہوا جو یہود نوازی میں مشہور تھا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کی کامیابی کے لیے اس نے امریکہ کے ۵۰ لاکھ یہودیوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لالچ میں یہودیوں کی ہر طرح سے پشت پناہی کی اور امریکہ کو بین الاقوامی بددیانتی کی اس راہ پر ڈال دیا جس پر وہ آج تک آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں | اپریل ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ کی میز پر رکھ دیا تاکہ اس مسئلے کے بارے میں جو قرارداد بھی پاس ہو اُس کی ذمہ داری تنہا برطانیہ پر نہ ہو بلکہ بین الاقوامی تنظیم کے سر منڈھ دی جائے۔ اُس نے یہ اقدام اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ عربوں کی کوئی خدمت کرنا چاہتا تھا بلکہ صرف اس لیے کیا تھا کہ اس طرح سے وہ ہر اُس فیصلے کی ذمہ داری سے بری ہو سکتا ہے جو آئندہ عربوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔

اقوام متحدہ میں جب یہ مسئلہ پہنچا تو مغرب اور مشرق کے دونوں کمیوں کے درمیان سودے بازی نے بڑی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک ہی شرمناک سازش تھی جس کا خمیازہ نہ صرف فلسطینی قوم کو بلکہ پوری عرب دنیا کو بھگتنا پڑا۔ عرب دنیا کے ۹۹ فیصد لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ اس سازش میں امریکہ و برطانیہ اور مغربی ممالک کا کردار کیا تھا، مگر وہ اس بات سے قطعی بے خبر ہیں کہ اقوام متحدہ کے اندر عرب سیاستدانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ کر سوویت یونین اور کمیونسٹ بلاک نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں کیا افسوسناک کردار ادا کیا ہے۔ یں پوری صاف گوئی اور وثوق سے کہتا ہوں، اور خود اقوام متحدہ کی رودادوں کی بنیاد پر کہتا ہوں، کہ جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ کی بساط پر زیر بحث آیا ہے اور جب سے اسرائیل کا منحوس وجود عمل میں آیا ہے، ماسکو کا رویہ یہودیوں کے حق ہی میں رہا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف رائے رکھتا ہے میری اُس سے درخواست ہے کہ وہ ذرا ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء کے تین سالوں کی اہم نمٹکی فائلوں کی وزق گردانی کرے، تاکہ اُسے میرے دعوے کی مصدقہ معلوم ہو جائے۔ نیز ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۵ء تک ۱۵ سالوں کے اندر اسرائیل اور دارا پیکٹ کی کمیونسٹ ریاستوں کے مابین، جن کی قیادت ماسکو کے ہاتھ میں ہے، جو اقتصادی اور ثقافتی اور فنی

معاہدات ہوئے ہیں ان پر بھی ایک نظروں لے۔ اس کے بعد وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ کمیونسٹ بلاک اسرائیل نواز نہیں ہے۔ عربوں کے خلاف کمیونسٹ بلاک کی کارگزاری | اقوام متحدہ کی میز پر فلسطین کا مسئلہ پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۴۷ء زیر بحث آیا فلسطین کے موضوع پر اقوام متحدہ کا یہ ہنگامی اجلاس ۲۸ اپریل سے لے کر ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ عربوں کی اس پہلی سیاسی جنگ میں مشرقی بلاک نے روسی نمائندے کا مڈیگر و میکوڈ جو آج کل روس کے وزیر خارجہ ہیں، کے زیر قیادت اپنی ساری طاقت اس بنیادی نقطے پر مرکوز کیے رکھی کہ کسی طرح اقوام متحدہ سے فلسطین میں یہودی وجود کی قانونی حیثیت کو تسلیم کر دیا جائے۔

عرب ممالک کے مندوبین نے اس اجلاس میں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں اقوام متحدہ سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ فلسطین سے برطانوی انتداب اٹھا دیا جائے اور فلسطین کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔ اس مطالبے کے جواب میں روسی نمائندے گر و میکوڈ نے عرب نمائندوں پر تند و تلخ حملہ کیا۔ ۲۹ اپریل کے اجلاس میں اس نے واشنگٹن الفاظ میں کہا :

”فلسطین میں یہودی قوم اپنا وجود رکھتی ہے۔ اس قوم کے احساسات کا لحاظ اور اقوام متحدہ کے اندر اس کی آواز پر کان دھنا ضروری ہے۔ اقوام متحدہ کو کوئی طاقت اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی کہ وہ کوئی ایسی قرار واد منظور کرے جو عربوں کے مطالبے کی حمایت میں فلسطینی قوم کے استقلال کے اعلان کی تائید کرے“

۲۰ مئی کے اجلاس میں اس نے کہا :

”فلسطین کا جھگڑا بذات خود اور اپنے تاریخی فراج کی رو سے یہ لازم ٹھیرا ہے کہ یہودیوں کو اس جھگڑے کے حل میں شرکت کا حق دیا جائے۔ یہ جھگڑا دراصل یہودی قوم ہی کا مسئلہ ہے“

گر و میکوڈ کی تائید کرتے ہوئے چیکوسلوواکیہ کے کمیونسٹ نمائندے جان باباٹک نے کہا :

”یہودی قوم کے مطالبات عین حق و انصاف ہیں۔ یہودیوں نے برطانوی انتداب سے طویل مدت پہلے فلسطین کی تعمیر و آباد کاری شروع کر دی تھی۔ فلسطین پر یہودیوں کے حقوق نہ صرف تاریخی طور پر درست ہیں بلکہ قانوناً بھی صحیح ہیں“

پولینڈ کے کمیونسٹ نمائندے جوزف وغیرہ نے اپنی باری آنے پر کہا:

”قضیہ فلسطین کے بارے میں کسی فیصلہ پر بھی اُس وقت تک غور و خوض نہیں کیا جاسکتا جب تک جنرل اسمبلی کی کارروائیوں میں یہودی ایجنسی کو شرکت کا حق نہ دیا جائے۔ پولینڈ کی حکومت یہودی قوم کے مفادات اور اس کے مستقبل سے پوری دلچسپی رکھتی ہے۔“

پولینڈ کے نمائندے نے امریکہ سے بھی اپیل کی کہ اُسے پولینڈ اور دیگر اشتراکِ ممالک کے نقطہ نظر کی پوری پوری حمایت کرنی چاہیے۔

۳۰ مئی کے اجلاس میں گرومیکو نے کہا:

”فلسطین کا مسئلہ صرف عربوں کا مسئلہ نہیں ہے، جیسا کہ عرب اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں، اور یہودیوں کے جذبات کی رعایت کیے بغیر اقوام متحدہ کے اندر اُس پر بحث کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ . . . شور و شغب، واویلا اور سرگوشیاں اور اسی نوعیت کے دوسرے ہتھکنڈے جو عرب اس وقت استعمال کر رہے ہیں اُن سے ہمیں بڑا دکھ پہنچا ہے۔ عربوں کو تاریخی اور قانونی پہلو سے امر واقعہ کو سمجھنا اور تسلیم کرنا چاہیے۔“

یوگوسلاویہ اور چیکو سلواکیہ اور پولینڈ کے مندوبین نے کامریڈ گرومیکو کی ہر پہلو سے حمایت کی اور اُس کے موقف کو ہر لحاظ سے درست اور برحق قرار دیا۔

سعودی عرب، مصر، عراق، شام اور لبنان کے نمائندوں نے ایٹری چوٹی کا زور لگادیا کہ جس طرح اقوام متحدہ میں یہودی ایجنسی کو یہودی قوم کا جائز نمائندہ تسلیم کر لیا گیا ہے اسی طرح فلسطین کی اعلیٰ عرب کمیٹی کو بھی اقوام متحدہ کے اندر فلسطینی قوم کے مفادات کے قانونی نمائندے کی حیثیت سے قبول کر لیا جائے، لیکن عرب نمائندوں کی تمام کوششیں روسی ہلاک کی شدید مخالفت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بے سود ثابت ہوئیں۔

سیاسی کمیٹی کا اجلاس ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء) ایک ایسی قرارداد پر ختم ہوا جس میں یہ طے کیا گیا کہ مسئلہ فلسطین کے مطالعہ اور تحقیق کے لیے ایک بین الاقوامی کمیٹی تشکیل کی جائے۔ گرومیکو نے اس اجلاس میں اسٹیج پر چڑھ کر اعلان کیا:

”یہودی قوم جینے کے لیے پیدا ہوئی ہے، اُسی طرح جس طرح دوسری قومیں آزاد زندگی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ یہود مسلسل المیوں اور اکٹھے بچپن اور تعذیب و تشدد کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اب اقوام متحدہ کا فرض ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو پورا کرے اور فلسطین میں ان کے حقوق کو تسلیم کرے۔ فلسطین اس قوم کی تاریخی اور عینی تہذیب کا گہوارہ ہے۔ عالمی تحقیقاتی کمیٹی کا بھی فرض ہے کہ وہ اس ملک میں یہودی قوم کے حاصل کردہ حقوق اور تاریخی حقوق کا پورا پورا محاذ رکھے۔“

قرارداد تقسیم پر بحث اور اشتراکی بلاک کا ردیہ [ستمبر ۱۹۴۷ء میں سیاسی کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں تحقیقاتی کمیٹی کی تجویز کردہ قرارداد تقسیم پر غور و خوض ہوا۔ اس اجلاس میں سوویت بلاک نے قرارداد تقسیم کے مسودہ کی پُر جوش تائید کی اور عربوں کے مطالبات پر اس قدر تکلیف دہ اور تلخ انداز میں تنقید کی جس کی وجہ سے اقوام متحدہ کے حلقوں میں سخت الجھل برپا ہو گئی۔ ذیل میں ہم سرکاری ریکارڈ کے حوالوں سے سیاسی کمیٹی کی بحثوں اور ان تمام تجویزوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو اس کمیٹی کے سامنے رکھی گئیں:]

عرب نمائندوں نے ایک یادداشت پیش کی جس میں تقسیم کی تجویز کو کلیتہً مسترد کر دیا، اور یہ مطالبہ کیا کہ فلسطین میں ایک آزاد جمہوری حکومت قائم کی جائے جس میں یہودی اقلیت کو اپنے حقوق کی پوری ضمانت حاصل ہو۔ اس یادداشت کے ساتھ انہوں نے ایک مفصل بیان بھی شامل کر دیا جو فلسطین پر عربوں کے حق کی تاریخی اور قانونی پہلوؤں سے منہ بولتی تصویر تھا۔ عراق کے نمائندے ڈاکٹر فاضل الجہالی اور لبنان کے نمائندے ڈاکٹر جابر ماک نے بھی الگ الگ بیانات دیئے جن میں حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا اور یہودیوں کے حامی و فوڈ کا حقائق اور اعداد و شمار کی زبان میں جرات مندانہ مقابلہ کیا۔

مگر روسی نمائندے نے پھر اٹھ کر کہا:

”فلسطین پر یہودیوں کا قانونی حق ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس حق کے تحفظ کے لیے ہم ان کی مدد کریں، تاکہ اس علانہ میں ان کے پاؤں جمیں اور وہ اپنی ریاست قائم کر سکیں۔ عربوں کو ہنگامے برپا کرنے اور تقریروں کا جوش دکھانے اور تاریخی دلائل کا سہارا لینے اور تنقید و تنقیص کے

اسلوب اختیار کرنے سے باز آ جانا چاہیے۔“

یوگو سلاویہ کے نمائندے نے کہا :

”ہم فلسطین کی تقسیم کی تجویز قبول کر لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ فلسطین یہودیوں اور عربوں دونوں کا وطن ہے۔ یہود اگر فلسطین کے اندر اسرائیل کی اور جمہوری نظام زندگی کو رواج دیں گے تو اس سے خود عربوں کو بھی استفادہ کا موقع ملے گا جو اس نظام کے شدید ماحتمد ہیں۔ عربوں کے لیے مزدوری ہے کہ وہ یہودیوں کی قربانیوں کی قدر کریں اور بے سود دشمنی سے دستبردار ہو جائیں۔“

برطانیہ کے نمائندے مسٹر الیگزینڈر کیدوگن نے دخل دیتے ہوئے کہا :

”پیرامن حل وہ ہے جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں۔ عرب بھی اور یہودی بھی۔ نہ کہ صرف ایک ہی فریق۔ اقوام متحدہ کو قابل قبول حل تلاش کرنا چاہیے۔ حکومت برطانیہ آپ کو یقین دلاتی ہے کہ برطانیہ قرارداد تقسیم کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی امداد کے لیے اپنی عسکری طاقت ہرگز استعمال نہیں کرے گا۔“

روس کی نمائندہ تسارایکین نے برطانوی نمائندے کی مخالفت کی اور کہا :

”برطانیہ کا رویہ معاملات کو الجھا رہا ہے، اور اقوام متحدہ کی قرارداد کے نفاذ میں روڑے اٹھا رہا ہے۔ اگر برطانیہ تقسیم کے فیصلہ کو نافذ کرنے میں بے بس ہے تو ہم بہر حال قرارداد تقسیم کو عملی جامہ پہنانے میں قطعاً بے بس نہیں ہیں۔ ہم اسے دوبار لانے کے لیے پوری طرح کمر بستہ ہیں۔“

پولینڈ کے نمائندے نے بھی عربوں پر حملہ کیا اور پاکستان کے نمائندے کے بھی تلتے لیے۔ اس نے کہا :

”یہودی اپنے ملک فلسطین میں اپنی ریاست کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کا قانونی حق ہے۔ عرب آخر ان کی عداوت میں کیوں بچے جارہے ہیں۔ اور پاکستان کو کیا آفت پڑی ہے کہ وہ یو این او کی تجویز کو ٹھکرا رہا ہے۔ عرب گوش ہوش سے سنیں کہ فلسطین تنہا ان کی ملکیت نہیں ہے۔ ... ہم عربوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کا راستہ اختیار کریں، اس کا حل فضا کو خوشگوار بنانے میں مدد دے گا۔ اور مشرق کو استعمار کے پنجے سے چھڑانے کے لیے عربوں اور یہودیوں کے درمیان مستحکم تعاون کی راہ ہموار کرے گا۔“

۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کے اجلاس میں سیاسی جنگ عروج کو پہنچ گئی۔ قریب تھا کہ یہ جنگ قرارداد تقسیم پر رائے شادی کو ملتوی کر دینے اور کوئی دوسرا تبادلہ من تلاش کرنے کی تجویز پر ختم ہو جاتی، مگر اشتراک بلک کی مٹ دھرمی اور تقسیم فلسطین پر اس کے شدید اصرار نے نیتی بات کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ آخر کار سوویت بلاک کی خواہش، کوشش اور اصرار کے بعد اقوام متحدہ نے قرارداد تقسیم کو منظور کر لیا۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ قرارداد صرف ایک ووٹ کی اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ دنیا جانتی ہے کہ اقوام متحدہ سے تقسیم فلسطین کی تجویز منظور کرانے میں امریکہ کی سازشوں اور اس کے دباؤ نے کیا کردار ادا کیا۔ مگر اس بات پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ اس میں روس اور اس کے کمیونسٹ بلاک کا کیا حصہ تھا۔ اس منحوس قرارداد کے اعلان کے بعد اقوام متحدہ نے تقسیم کے کام کی نگرانی کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی۔ کمیٹی ان پانچ ارکان پر مشتمل تھی، چیکو سلوواکیہ، ڈنمارک، بولیویا، فلپائن اور پانامہ۔ جنرل اسمبلی نے سلامتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ تقسیم کی قرارداد کو نافذ کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرے اور اگر اسے بین الاقوامی فوج کے استعمال کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ مگر پیشتر اس کے کہ مذکورہ بالا بین الاقوامی کمیٹی فلسطین میں قدم رکھتی وہاں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز فسادات بھڑک اٹھے اور اس خوفناک حد تک پھیل گئے کہ بعض مغربی ممالک، جن میں امریکہ سرفہرست تھا، تقسیم کے بارے میں اپنے رویے کو تبدیل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس مرحلے پر سلامتی کونسل میں جو کچھ ہوا اس کی روداد ملاحظہ ہو۔

(باقی)

اعلان

ترجمان القرآن کے حسب ذیل پرچوں کی دفتر کو ضرورت ہے مگر کسی صاحب کے پاس برائے فروخت موجود ہوں تو دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ کو بھجوا دیں۔

۳ پرچے

مئی تا جولائی ۶۵ء

۳۲ پرچے

فروری و ستمبر اکتوبر ۶۵ء

چوناع الدین منیر